بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرک و توحید

از حضرت مفتی اعظم ہند
علامہ شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

وعلیٰ اٰلک واصحابک یا حبیب اللہ

شرک و توحید

الحمدُ لِلّٰہِ الذی انزل القُراٰن وَھَدٰنا بہٖ اِلیٰ عقائد الاِیمان واظھرَ ھٰذا الدّین القیّم علیٰ سائر الادیان والصّلوٰۃ والسّلام اتمان اکملان فی کُل حین وّان علیٰ سیّد الاِنس والجان وَعلیٰ اٰلہٖ وصَحبہٖ ومن تبعھُم باحسان۔ امّا بعد فاقول وباللّٰہِ التوفیق لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ۔

میں نے اپنے بیان کا زیبِ عنوان کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ اس لئے رکھا ہے کہ عوام سامعین کو کلمہ طیبہ تو صحتِ لفظی کے ساتھ یاد ہوگیا ہے لیکن اسکے باوجود بعض عوام کو یہ کہتے سُنا کہ ـــ اہل اللہ کے مزارات پر سفر کرکے جانا ـــ قبر کو بوسہ دینا ـــ اس پر چادر چڑھانا ـــ اس کے غلاف کو پکڑ کر دُعا کرنی ـــ اللہ کی جناب میں کسی کو سفارشی سمجھنا ـــ رُخصت ہوتے وقت اُلٹے پاؤں چلنا ـــ یہ سب باتیں شرک ہیں اس کے علاوہ اور بھی بکثرت ایسے اقوال ہیں جن کے بیان کے لئے زبان یاری نہیں دیتی مثلاً معاذ اللہ" اللہ تعالیٰ جھُوٹ بول سکتا ہے" ـــ بلکہ جو افعالِ رذیلہ ایک انسان کرسکتا ہے وہ افعال اللہ تعالیٰ بھی کرسکتا ہے ـــ اسی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" اور "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی

شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے[۱]۔" یہ اقوال فاسدہ کاسدہ وہ ہیں جن کا رد قطع نظر اس کے کہ نصوصِ قطعیہ کر رہی ہیں، خود کلمہ طیبہ بھی اس کا رد کر رہا ہے۔ اگر کلمہ طیبہ کے صحیح طور پر معنی معلوم ہوں تو ہرگز کسی مسلمان سے ایسے اقوال واہیہ صادر نہیں ہو سکتے۔ اِس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ طیبہ کے معنی عرض کروں، جب اس کے معنی ذہن نشین ہو جائینگے تو پھر قول یا فعل پر احکامِ شرعیہ کے خلاف کوئی حکم نہ لگا سکیں گے۔

کلمہ طیبہ کے پہلے جزو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں توحید کا کامل طور پر بیان فرما دیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"۔ یعنی عبادت کی مستحق صرف وہی ایک ذات ہے جس کو اللہ کہتے ہیں اور اسم مُبارک اللہ اس ذاتِ اقدس کا نام ہے جسکی ذات قدیم ہے اور جو ازلی ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہنے والا۔ یُونہی اس کی صفاتِ کاملہ بھی قدیم ہیں اور غیر محدود لیکن ہر صفتِ ناقصہ سے پاک و منزہ ہے۔ کسی صفتِ ناقصہ کی اس کی قدرت کی بارگاہ میں رسائی ممکن نہیں۔ وہ اپنی ذات و صفاتِ کاملہ میں کسی کا محتاج نہیں، ہر شئے کا خالق اور ہر شئے اس کی محتاج، کلمہ طیبہ کے اس معنی کو دل سے یقین کے ساتھ جاننے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے کا نام توحید ہے اور اس کے خلاف اعتقاد کرنے کا نام شرک ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرح کسی دُوسرے کی ذات یا اس کی کسی صفت کو قدیم جانے "مشرک" یا کسی دُوسرے کو مستحق عبادت جانے "مشرک" یا کسی دُوسرے کو کسی شئے کا حقیقۃً خالق اور پیدا کرنیوالا جانے "مشرک"۔ اس ہی کو حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں:

"بالجملہ شرک سہ[۳] قسم است در وجُود[۱]، در خالقیت[۲] و در عبادت[۳]"۔

---

[۱] اس قسم کے کلمات صراطِ مستقیم (مولوی سید احمد بریلوی) تقویۃ الایمان (مولوی اسمٰعیل دہلوی) حفظ الایمان (مولوی اشرف علی تھانوی) براہینِ قاطعہ (مولوی خلیل احمد سہارنپوری) وغیرہ کتب میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ مسعود

ترجمہ: یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ شرک تین قسم کا ہے ـــــ (وجُود میں یعنی غیرِ خدا کو واجب الوجُود جاننا) ـــــ دُوسرے، خالقیت میں (یعنی غیرِ خدا کو کسی شئے کا حقیقۃً پیدا کرنے والا جاننا) ـــــ تیسرے، عبادت میں (یعنی غیرِ خدا کی عبادت کرنا جس کو ہندی میں پُوجا کہتے ہیں یا اس کو مستحق عبادت جاننا۔)"

اب جب آپ نے توحید اور شرک کے معنی سمجھ لئے تو جس پر یہ معنی صادق آئیں گے اس کو تو بے شک "مشرک" کہیں گے۔ اس کے سوا کسی بات کو حقیقۃً شرک نہیں کہہ سکتے۔ پس جو لوگ اللہ کے عطا کئے ہُوئے کمالات اس کے بندوں کے لئے ثابت کرتے ہیں اور ان کمالات کو عطائے الٰہی جانتے ہیں وہ ہرگز مشرک نہیں۔ ہاں جو کسی کے کمال کو بے عطائے الٰہی اس کا ذاتی کمال کہے گا بیشک مشرک ہو جائے گا کہ ذاتی کمالات صرف اس ہی ذاتِ والاصفات کے ساتھ مختص ہیں۔

یہ ہے توحید اور شرک کا مختصر بیان۔ اس کو اگر آپ ذہن نشین کر لیں گے تو ہرگز مغالطہ میں نہ پڑیں گے۔ جب کسی بات پر شرک کا شبہ ہو تو اُس پر غور فرمادیں کہ اس میں غیرِ خدا کو قدیم اور ذاتی صفات رکھنے والا جاننا یا اس کو معبُود جاننا یا اس کو خالق جاننا لازم آتا ہے یا نہیں۔ اگر ان تین باتوں میں سے کوئی بات لازم آتی ہے تو بے شک وہ بات شرک ہے اور ان میں سے ایک شئے بھی لازم نہیں آتی تو اسے ہرگز شرک نہیں کہہ سکتے۔

مولیٰ تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ سے اپنے بندوں کو بھی ہر ایک کی حیثیت کے موافق حصّہ عطا فرمایا ہے۔ وہ "حی" ہے، ہمیں بھی حیات عطا فرمائی ہے ـــــ وہ "قادر" ہے ہمیں بھی قدرت عطا فرمائی ہے ـــــ وہ "سمیع و بصیر" ہے ہمیں بھی سُننے اور دیکھنے کی قوت عطا فرمائی ہے ـــــ وہ "علیم" ہے ہمیں بھی علم عطا فرمایا ہے، وہ ارادہ فرماتا ہے ہمیں بھی ارادے پر قوت عطا فرمائی ہے لیکن علیٰ حسبِ مراتب، کسی کو کم، کسی کو زائد، چنانچہ کسی کو حیات ہزار سال کی عطا فرمائی اور کسی کو دو چار سیکنڈ کی۔ کسی کو اتنی قدرت کہ پاؤ سیر کا بوجھ بھی دو قدم نہ پہنچا سکے اور آصف بن برخیا کو اتنی کہ سینکڑوں من کا تخت جو ساتویں مجلد

کے اندر بلقیس نے محفوظ و مقفل کر رکھا ہوا اور اس پر جنات کا پہرہ لگا دیا ہوا اور جس کا عرض و طول اسی اسی گز کا ہو، حضرت آصف بن برخیا، حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ السلام کا حکم پاتے ہی پلک جھپکنے میں ان کے حضور حاضر کر دیتے ہیں اور بڑے بڑے قوی جنات منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ یہ قصہ تو بڑا طویل ہے جس کا ذکر قرآنِ کریم میں خود مولیٰ تعالیٰ نے مفصل طور پر بیان فرمایا ہے۔ مجھے تو صرف اتنا بتلانا تھا کہ مخلوق میں سے ایک کی قوت کا کیا حال ہے اور دوسرے کی قوت کس درجہ پر پہنچی ہوئی ہے جو تحیر میں ڈالتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔

قال الذی عنده علم من الکتاب انا اٰتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك۔ فلما راٰه مستقرا عنده قال هذا من فضل ربی۔ (النمل: ۴۰)

"یعنی اس شخص نے عرض کیا جس کو کتابِ الٰہی کا علم حاصل تھا کہ میں آپ کے حضور اس تخت کو پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دوں گا۔ پس جب حضرت نے تخت کو اپنے پاس دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے۔"

اسی طرح دیکھنے اور سننے کا حال ہے کہ ایک شخص پاس کے بیٹھنے والے کو نہ بخوبی دیکھ سکتا ہے نہ اس کی سن سکتا ہے اور دوسرا اپنے مقام پر بیٹھا یا کھڑا مشرق سے مغرب تک بسنے والوں کی سنتا اور ان کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استفسار پر حضرت جبریل (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ :۔

"حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے ایک فرشتہ قیامت تک کیلئے متعین فرمایا ہے جس کا کام یہ ہے کہ جو امتی آپ پر درود پڑھے تو وہ فرشتہ کہتا ہے وَاَنْتَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ (یعنی تجھ پر بھی خدا رحمت کرے۔)"

روایت کیا اس کو طبرانی وغیرہ نے، حدیث بڑی ہے۔ میں نے صرف اہنی

جملوں کے ترجمے پر اکتفا کیا جو موضع استدلال تھے۔ یونہی حضرت عزرائیل علیہ السلام کا حال ہے کہ وہ نہ تو مشرقی کو چھوڑیں نہ مغربی کو، سب کی خبر آنِ واحد میں لیتے ہیں۔ غرض ثابت ہوا کہ مخلوق کے دو افراد میں دیکھنے اور سننے میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسی طرح علم کے اندر ملاحظہ فرمائیں کہ ایک وہ شخص ہے جس کو اپنے گھر کی چند چیزوں کا علم ہے اور ایک حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام ہیں کہ عالم میں سے کوئی شے ایسی نہ چھوڑی جس کا ان کو علم نہ دیا گیا ہو۔ نہ علویات میں سے کسی فرد کو چھوڑا نہ سفلیات میں کسی فرد کو ـــــ تمام ہی کا تو علم عطا کر دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرۃ: ۳۱)

ترجمہ :۔ اور سکھلا دیئے اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو سب چیزوں کے نام۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اپنی صفاتِ ذاتیہ کی چمکار سے بلاشبہ اپنی بعض مخلوق کو بھی عطا فرمائے اور یقیناً اس میں بعض کو بعض پر فضیلت دی جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس میں کسی کو خواہ کتنی ہی اعلیٰ مرتبہ پر وسعت عطا کی ہو پھر اللہ تعالیٰ کی صفات کے مقابلے میں اسکی صفات اتنی بھی تو حیثیت نہیں رکھتیں جتنا لاکھوں سمندروں کے مقابلے میں ایک قطرہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اسکی صفت ذاتی، ازلی، ابدی، اس کی صفت عطائی، حادث ـــــ اُس کی صفت غیر محدود، اِس کی صفت خواہ کتنی بھی وسعت کیوں نہ رکھتی ہو مگر پھر بھی محدود ـــــ اُس کی صفت پر کسی کا قابو نہیں چل سکتا، اِس کی صفت اِس قادرِ مطلق کے دستِ قدرت میں مجبور ـــــ غرض کسی کی اُس صفت کا جو اُس کو حاصل ہے محض اس خیالِ فاسد کی بنا پر کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، انکار کرنا خالص عناد ہے۔ جو صفت مخلوق کی ہے وہ ہرگز ہرگز خالق کی نہیں۔ مخلوق کی صفت تو مخلوق اور حادث ہے، محدود ہے، عطائی ہے مولیٰ تعالیٰ کے قابو میں ہے۔ وہ جب چاہے اس سے چھین لے۔ کیا ایسی صفت سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو متصف کرو گے؟ ـــــ اگر ایسا کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ ہرگز کلمہ طیبہ پڑھنا فائدہ نہ دے گا کہ تم نے اس کو ایک صفتِ ناقصہ کے ساتھ متصف کر دیا جو کفر ہے حالانکہ وہ جس طرح اوصافِ رذیلہ سے منزہ ہے اسی طرح اس کا کسی صفت ناقصہ کیساتھ متصف

ہونا بھی ناممکن اور محال ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ اگر کسی میں ایسی صفتِ ناقصہ بھی نہ ہو اور کوئی اس کو اس صفت کے ساتھ متصف کر دے تو اس کو جھوٹا تو کہہ سکتے ہو لیکن اس کو مشرک نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کی صفت کے ساتھ اس نے اس کو متصف نہیں کیا۔ مثلاً کوئی کسی پتھر کو کہہ دے کہ یہ بعطائے الٰہی تمام جہان کے ذرّے ذرّے سے واقف ہے تو اس کے کہنے والے کو آپ جھوٹا کذاب ضرور کہیں گے، لیکن اسے مشرک نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ اس کے بعطائے الٰہی کہنے سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اس صفت کو عطائی، حادث، عالم کے اندر محدود، مولیٰ کے تحت قدرت میں کہہ رہا ہے جو اللہ کی صفت نہیں ہے اور مشرک جب ہی ہوتا ہے جب اللہ کی صفت کسی کو ثابت کرے۔

مجھے چاہیئے تو یہ تھا کہ میں اپنے بیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جلیلہ کا ذکر کرتا لیکن اس خیال سے میں نے اس لیے گریز کیا کہ بعض عوام کے خیال میں یہ جم چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مثل ایک انسان تھے اور ہمارے بھائی۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صفتِ عطیہ کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور پھر اس پر دلائل کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے، فوراً شرک کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں۔ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو میں ضرور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ کا ذکر کرتا اور بتلاتا کہ ان کے مولیٰ نے ان صفات میں دُوسروں سے ان کو کیسا ممتاز فرمایا ہے۔ لیکن یہاں تو مجھے صرف شرک کے معنی کی قدرے وضاحت کرنا تھی۔ اُمید ہے کہ یہ معنی ذہن نشین ہو گئے ہوں گے۔ اب آپ اس معنی کے پیشِ نظر جب ان باتوں کو ملاحظہ فرمائیں گے جن کو بعض لوگ شرک کہتے ہیں تو آپ ان کو ہرگز شرک نہ کہہ سکیں گے۔

اصل یہ ہے کہ ان جیسے اقوال واہیّہ مسلک وہابیّہ کے ہیں جنہوں نے نہ صرف بعض گناہ صغیرہ پر بلکہ بعض جائز باتوں پر بھی شرک کا حکم لگا دیا ہے اور وہابیّہ وہ ہیں جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مسلک پر ہیں۔ چنانچہ مولٰینا اشرف علی صاحب تھانوی اپنے فتاوٰی امدادیہ کی پانچویں جلد کے صفحہ ۲۳۲ پر لکھتے ہیں کہ:-

"وہابی وہ شخص ہے جو مسلک میں ابن عبدالوہاب کا تابع ہو یا موافق ہو۔"

ابن عبدالوہاب کا مسلک اگر معلوم کرنا ہو تو اس کی کتاب التوحید سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن وہ ہندوستان میں نایاب ہے۔ البتہ علماء فرماتے ہیں کہ تقویۃ الایمان، کتاب التوحید ہی کا ترجمہ ہے[1]۔ پس اگر کسی کو اس کے مسلک کے معلوم کرنے کا شوق ہو تو وہ تقویۃ الایمان کو دیکھے جو ہر جگہ میسر آتی ہے کہ وہابیّہ نے لاکھوں کی تعداد میں اس کو طبع کرا کے ہندوستان میں شائع کیا ہوا ہے لیکن عوام کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ تقویۃ الایمان کو دیکھیں تو ان بیسیوں رسالوں میں سے کسی ایک کو بھی ملاحظہ فرمائیں جو علمائے اہلِ سنت نے تقویۃ الایمان کے ردّ میں تحریر فرمائے ہیں مثلاً اطیب الایمان فی ردّ تقویۃ الایمان، ورنہ گمراہ ہونے کا سخت اندیشہ ہے۔

○

یہ بیان تو کلمہ طیبّہ کے پہلے جزو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے متعلق تھا۔ اب میں اسکے دُوسرے جزو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے متعلق کچھ عرض کروں کلمہ طیبہ میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

---

[1] کتاب التوحید ایک مختصر رسالہ ہے، تقویۃ الایمان نسبتاً ضخیم ہے البتہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تالیف ردّ الاشراک (عربی) کتاب التوحید کا ترجمہ معلوم ہوتی ہے تقویۃ الایمان، ردّ الاشراک کے پہلے حصّے کا تشریحی اُردو ترجمہ ہے۔ اس کے ایڈیشن کا احاطہ متعذر ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ شہامت علی نے کیا تھا جو ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا تھا ــــــ ردّ الاشراک کے دُوسرے حصّے کا اُردو ترجمہ مولوی محمد سلطان نے کیا تھا، جو تذکیر الاخوان کے نام سے شائع ہوا تھا۔ یہ دونوں حصّے (تقویۃ الایمان اور تذکیر الاخوان) کراچی سے یکجا شائع ہو گئے ہیں۔

یہ کتاب راقم نے مطالعہ کی ہے۔ اس کے متعلق صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایمان عبارت ہے صرف کلمہ مُبارکہ کے جزو اول لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے تو یقیناً یہ کتاب ایمان کی قوت کا باعث ہے اور اگر تکمیلِ ایمان کے لیے دُوسرا جزو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی لازمی ہے تو پھر یہ کتاب ایمان کی ہلاکت کا سبب ہے۔ غالباً اسی وجہ سے مولٰینا مملوک العلی اس کتاب کو "تفویت الایمان" فرمایا کرتے تھے۔ ــــــ مسعود

کے بعد حضور کا اسم شریف لایا گیا ہے مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وسلم جس کے معنی ہیں کہ تمام عالم اس ذات اقدس کی صفت و ثنا کرنے والا ہے بلکہ خود اُن کا خالق بھی۔ جس سے اس جانب گویا اشارہ ہے کہ ہماری یکتائی کا اقرار کرنے کے بعد بھی ابھی تمہارا ایمان ادھورا ہے، جب تک کہ تمام مخلوق کے اندر اس ذات کی یکتائی کا اقرار اور (دل میں) اس کی تعظیم و توقیر نہ کرو گے، تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا جس کو کھلے لفظوں میں ارشاد فرمایا:

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ

گویا ارشاد ہوتا ہے کہ خواہ ہمارا انکار کر دیا اس کا، دونوں صورتوں میں تم کافر قرار پاؤ گے بلکہ انکار تو انکار میری یا اس کی جناب میں اگر ادنیٰ توہین بھی کی تو پھر بھی کافر کے کافر ہی رہو گے کہ توہین کے باوجود ہماری عظمت کا اقرار بھی کیا ہوا؟ —— اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب اعظم کلمہ "رسول" لاکر اور اپنی طرف اس کی اضافت دے کر اس کو واضح فرمایا کہ ہمارے رسول ہمارے نائب ہیں۔ ان کا جو فرمان ہے، وہ ہمارا فرمان ہے، خواہ ہمارے کلام کی تکذیب کر دو یا ان کے کلام کی، دونوں صورتوں میں کافر ہی رہو گے۔

اب یہاں یہ سمجھ لینا لازمی ہے کہ کیسے کلام کی تکذیب کفر ہے؟ تو یاد رکھئے کہ جب کلام کسی کی طرف سے کسی کے پاس نقل ہوتا ہوا آتا ہے تو اگر بیچ کے نقل کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر لوگ ہوں جن کا اتفاق جھوٹ پر عقل میں نہ آتا ہو اور وہ بات بھی ایسی ہو جس کے مطلب میں کسی قسم کا خدشہ نہ ہو، ایک ہی مطلب نکلتا ہو، ایسی بات کو دلیل قطعی کہتے ہیں —— اور دلیلِ قطعی سے جو شے اللہ و رسول کی طرف سے ثابت ہو اُس کی تکذیب کُفر ہے اور اس پر یقین کرنا ایمان —— اور جو بات اس طور سے ثابت نہ ہو، اسے دلیلِ ظنّی کہتے ہیں، اس کا انکار کفر نہیں ہوتا۔ اب اللہ و رسول کے احکام کی پیروی کی حیثیات کی طرف غور فرماویں کہ کس قسم کے حکم کی پیروی کی کیا حیثیت ہے؟ تو اس کو یوں سمجھئے کہ آقا جب غلام کو حکم کرتا ہے تو کبھی تو کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا ایسا حکم کرتا ہے کہ اس پر عمل کے سوا غلام کے لئے چارہ ہی نہیں ورنہ غلام سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ تو اگر ایسا حکم اللہ و رسول کی طرف سے بندوں کے لئے کسی کام کے کرنے کا دلیلِ قطعی سے ثابت ہو

تو وہ کام فرض ہے اور نہ کرنے کا ثابت ہو تو وہ حرام ہے اور ایسا حکم کسی کام کے کرنے کا دلیلِ ظنی سے ثابت ہو تو وہ واجب ہوتا ہے اور نہ کرنے کا دلیلِ ظنی سے ثابت ہو تو اسے مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔

اور کبھی آقا کا ایسا حکم ہوتا ہے کہ غلام کا عمل اس پر ہے تو نہایت پسند لیکن اگر غلام کبھی اس حکم کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے تو آقا اس کی چنداں پروا نہیں کرتا، ہاں اگر غلام ایسے حکم کی خلاف ورزی کی عادت ہی کرلے تو پھر اس پر آقا خفا ہوتا ہے اور تھوڑی بہت سزا دیتا ہے۔ پس اگر ایسا حکم شارع سے کرنے کا ثابت ہو تو اسے سنّتِ مؤکدہ کہتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کی عادت کو اساءت۔

اور کبھی آقا کا ایسا حکم ہوتا ہے کہ غلام کا اس پر عمل ہے تو پسند لیکن اِس کی خلاف ورزی اگرچہ ناپسند ہے لیکن اس کی وجہ سے غلام کو قابل سزا نہیں جانتا۔ اگر ایسا حکم شارع سے ثابت ہو تو اسے سنّتِ غیر مؤکدہ کہتے ہیں اور اِس کی خلاف ورزی کو مکروہ تنزیہی۔

اور کبھی آقا کا حکم ایسا ہوتا ہے کہ غلام کا عمل اس پر ہے تو پسند لیکن اِس کی خلاف ورزی بھی کچھ زیادہ ناپسند نہیں۔ پس اگر ایسا حکم شارع سے ثابت ہو تو اُسے مستحب کہتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کو خلافِ اولیٰ۔

اور جن باتوں کی آقا، غلام کو نہ ممانعت کرتا ہے اور نہ ان کے کرنے کا حکم دیتا ہے ان میں غلام مختار ہوتا ہے، کرے یا نہ کرے۔ کسی صُورت میں اس سے پوچھ گچھ بھی نہیں کرتا۔ ایسی باتوں کو شریعت میں مباح کہتے ہیں۔

○

اب میں اپنے اس بیان کا خلاصہ عرض کروں اور احکام شرعیہ سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بتلاؤں تاکہ آپ کے بخوبی ذہن نشیں ہو جائے۔

۱۔ شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرح کسی دُوسرے کی ذات و صفات کو قدیم سمجھا جائے یا اس کو مستحق عبادت سمجھا جائے، یا اس کو کسی شے کا پیدا

کرنے والا یا اس کی کسی صفت کو ذاتی سمجھا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی بات شرک نہیں۔

۲۔ **کفر** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کا انکار کیا جائے یا اس کے کسی ایسے کلام کا انکار کیا جائے جو ہمیں دلیلِ قطعی کے ساتھ پہنچ چکا ہو۔ شرک اور کفر کا حکم یہ ہے کہ وہ بلا توبہ ہرگز نہ بخشا جائے گا اور اس سے جتنے نیک عمل ہوتے ہیں سب نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ شرک کا مقابل توحید ہے اور کفر کا مقابل ایمان۔

۳۔ **فرض** یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کا وہ حکم جو ہمیں دلیلِ قطعی سے ثابت ہو گیا ہو اور جس کا کرنا ہم پر لازم کر دیا گیا ہو، جیسے نماز، روزہ۔ اس کا کرنا ثواب اور ایک مرتبہ بھی بلا عُذر شرعی ترک کر دینا گناہِ کبیرہ ہے۔ پس اس کا ترک کرنے والا فاسق اور عذابِ نار کا مستحق ہوتا ہے اور انکار کرنے والا یا اس کا مذاق اُڑانے والا کافر۔

۴۔ **واجب** شارع علیہ السلام کا وہ حکم جو ہمیں دلیلِ ظنی سے ثابت ہوا ہو اور جس کا کرنا ہم پر لازم کر دیا گیا ہو، اس کا کرنا ثواب، بلا عُذرِ شرعی قصداً ایک بار ترک بھی گناہ صغیرہ ہے اور بار بار ترک کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب، مستحق عذاب لیکن اس کا انکار کرنے والا کافر نہیں۔

۵۔ **سُنّتِ مؤکدہ** وہ فعل جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو (لیکن بیانِ جواز کے لئے کبھی ترک بھی فرمایا ہو) اور وہ فعل جس کی نہایت تاکید فرمائی ہو لیکن نہ فرض و واجب جیسی، اس کا کرنا ثواب اور اتفاقاً بلا عُذر ترک کرنے والا مستحقِ عتاب ہے اور ترک کی عادت کرنے والا مستحق سزا۔

۶۔ **سُنّتِ غیر مؤکدہ** وہ فعل جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو یا اس کی طرف رغبت دلائی ہو، اور اس کا ترک اگرچہ ناپسند کیا ہو مگر نہ ایسا، جیسا سُنّتِ مؤکدہ کا ترک ناپسند ہے۔ پس اس کا کرنا ثواب لیکن اس کا تارک مستحقِ عتاب بھی نہیں۔

۷۔ **مستحب** وہ فعل جس کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا صحابہ نے، یا علمائے اُمّت نے پسند کیا ہو، اس کے ترک پر کچھ نہیں اور کرنا ثواب۔

۸۔ **حرام** وہ فعل جس کا نہ کرنا لزوماً ہمیں دلیلِ قطعی سے ثابت ہوا، اس کو قصداً ایک بار بھی کرنا گناہ کبیرہ اور موجب فسق ہے اور نہ کرنا ثواب اور انکار کفر۔ یہ فرض کا مقابل ہے۔

۹۔ **مکروہِ تحریمی** وہ فعل جس کا نہ کرنا ہمیں دلیلِ ظنی سے ثابت ہوا، اس کا نہ کرنا ثواب اور کرنا گناہ صغیرہ، اور بار بار کرنا گناہ کبیرہ، لیکن انکار کفر نہیں۔ یہ واجب کا مقابل ہے۔

۱۰۔ **اساءت** وہ فعل جس کا نہ کرنا ثواب اور اتفاقاً کرنا باعث عتاب اور بار بار کرنا موجب سزا۔ یہ سنتِ مؤکدہ کا مقابل ہے۔

۱۱۔ **مکروہِ تنزیہی** وہ فعل جس سے بچنا بہتر ہے اور باعثِ ثواب اور اس کا کرنا اگرچہ شارع علیہ السلام کو ناپسند ہے لیکن اس کے کرنے پر عتاب نہیں۔ یہ سنتِ غیر مؤکدہ کا مقابل ہے۔

۱۲۔ **خلافِ اولیٰ** وہ فعل جس میں بندہ مختار ہے، بچے گا تو ثواب کا مستحق ہے اور کرے گا تو ثواب سے محروم رہے گا اور بس، یہ مستحب کے مقابل ہے۔

۱۳۔ **مباح** جو افعال اُوپر ذکر کئے گئے یہ تو وہ تھے جو شریعت کو مطلوب ہیں اور جن کے ثابت کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ جس قدر افعال ہیں جن کے لئے شریعتِ مُطہرہ سے کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جاتی جو ان افعال عشرہ مذکورہ میں سے کسی فعل کو ثابت کرتی ہو، وہ تمام افعال مباح کہلاتے ہیں، جس میں مسلمان مختار ہے، چاہے اس کو کرے یا نہ کرے اس پر نہ اس کو کچھ ثواب ہے نہ عتاب۔

۱۴۔ **بدعت** مباح افعال میں بعض وہ طریقے بھی ہیں جن کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھا، ایسے طریقے بدعت کہلاتے ہیں لیکن ان میں جو طریقہ کسی فعلِ واجب کی تقویت کے لئے نکلا ہے اس کو بدعت واجبہ کہتے ہیں اور جو کسی سُنّت کی تقویت دینے والا ہے اسے بدعتِ مستحبہ کہتے ہیں اور جو حرام فعل کو تقویت دینے والا ہے اسے بدعتِ محرمہ کہتے ہیں، اور جو کسی مکروہ فعل کی تقویت دینے والی

ہو اسے بدعتِ مکروہہ کہتے ہیں اور جو ایسی ہو جس پر ان چاروں میں سے کسی کی تعریف بھی نہ صادق آتی ہو اسے بدعت مباحہ کہتے ہیں۔ پھر بدعتِ واجبہ اور مُستحبہ کو بدعت حسنہ، اور بدعت محرمہ اور بدعتِ مکروہہ کو بدعتِ ضلالہ۔ پس ان پانچ قسموں میں سے صرف دو قسمیں بدعتِ ضلالت ہیں اور دو بدعتِ حسنہ اور ایک بدعتِ مباحہ۔ لہٰذا ہر بدعت کو بدعتِ ضلالت نہیں کہہ سکتے۔

یہ ہے احکامِ شرعیہ کا بیان جن کو میں نے مختصر طور پر بیان کیا۔ اگر آپ ان کو ذہن نشین کرلیں گے تو پھر کسی فعل پر ان احکام کے خلاف کوئی حکم صادر نہ کرسکیں گے۔

وَاللّٰهُ الولی وَهُوَ عَلٰی مَا نقُولُ وَکِیلُ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

◎

بدعت

—— پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"حلال وہ ہے جس کو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا —— اور حرام وہ ہے جس کو خدا نے اپنی کتاب میں حرام کیا —— اور جس سے خاموشی اختیار فرمائی وہ عفو (جائز) ہے"[1]۔

اسی طرح حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اللہ نے کچھ چیزیں فرض کی ہیں، پس انہیں ضائع نہ کرو (یعنی اُن پر ہر حال میں عمل کرو) —— اور کچھ چیزیں حرام فرمائیں، اُنکی حرمت

---

[1] (ا) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ : ترمذی شریف، مطبوعہ کراچی

(ب) ابو عبداللہ محمد بن یزید ابنِ ماجہ قزوینی : سُنن ابنِ ماجہ، مطبوعہ لکھنؤ

نہ توڑو —— اور کچھ حدیں قائم کیں، اُن سے آگے نہ بڑھو —— اور کچھ چیزوں سے بغیر نسیان کے (یعنی جان بوجھ کر) خاموشی اختیار فرمائی، اُن میں بحث نہ کرو[1] —— (یعنی وہ تمہارے لئے جائز قرار دے دی گئی ہیں")۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس کو اللہ اور اُس کے رسول علیہ التحیۃ

---

[1] (ا) محدث ابو الحسن علی بن عمر دارقطنی : سنن دارقطنی

والتسلیم نے صاف لفظوں میں حلال فرمایا، وہ حلال ہو گیا ——— اور جس کو حرام فرمایا وہ حرام ہو گیا ——— اور جن امور کے بارے میں کچھ نہ فرمایا وہ جائز و مباح ہیں — یہ ایک فطری اصول ہے ——— اب اگر کوئی ایسے امور کے متعلق جن سے قرآن و حدیث میں خاموشی اختیار فرمائی یہ حکم لگائے کہ یہ حلال ہے، وہ حرام ——— اُس کیلئے قرآنِ حکیم کا یہ ارشاد کافی ہے :

"اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام ہے تاکہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتے" [۲] ———

بلاشبہ مناسب و معقول بات یہی ہے کہ جس کو اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حلال کیا، اُس کو حلال سمجھیں ——— اور جس کو حرام کیا، اُس کو حرام سمجھیں اور خواہ مخواہ فقیہانہ موشگافیوں میں مُبتلا ہو کر اتحاد کو پارہ پارہ نہ کریں۔ وہ اتحاد جو اسلام کا مقصود و مطلوب ہے ——— کسی چیز کا عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، عہدِ خلافتِ راشدہ اور عہدِ تابعین و تبع تابعین میں ہونا اُس کی فضیلت کی دلیل ہے اور نہ ہونا اُس کی حرمت کی دلیل نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ مُباح اور جائز ہو ———

زمانہ ایک حالت پر نہیں رہتا اس میں انقلابات اور تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور وہ انسان کی پوری زندگی کو متاثر کرتا ہے، شریعت کے دائرے میں رہ کر اُن تبدیلیوں اور انقلابات کو قبول کیا جا سکتا ہے، اس کے بغیر زندگی گزارنا مُمکن نہیں ———

(ب) ولی الدین بن عبداللہ الخطیب: مشکوٰۃ المصابیح، مطبوعہ کراچی، ص ۲۲

[۲] قرآنِ حکیم، سورۂ نحل، آیت نمبر ۱۱۷